تقریر بابت ایمان
وقت 5-7 منٹ

تقریر

ایمان کیا ہے؟

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر 2)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (النساء:137)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے اتاری تھی اور جو اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یومِ آخر کا تو یقیناً وہ بہت ہی دُور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔

جس کو تلاش ہے کہ ملے اُس کو کردگار
اُس کیلئے حرام جو قصّوں پہ ہو نثار
اُس کا تو فرض ہے کہ وہ ڈھونڈے خدا کا نور
تا ہووے شک و شبہ سبھی اُسکے دِل سے دُور

(درثمین)

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اور فرمودات کی روشنی میں ایمان کیا ہے؟ پر تقاریر کا سلسلہ جاری ہے۔ آج دوسری تقریر حاضر ہے۔

حضور علیہ السلام ایمان کیوں کر پیدا ہوتا ہے کے تحت فرماتے ہیں:

” قرآن شریف سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انسان کی فطرت میں سعادت اور ایک مناسبت نہ ہو ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے مامور اور مرسل اگرچہ کھلے کھلے نشان لے کر آتے ہیں مگر اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اِن نشانوں میں ابتلا اور اخفاء کے پہلو بھی ضرور ہوتے ہیں۔ سعید جو باریک بین اور دور بین نگاہ رکھتے ہیں، اپنی سعادت اور مناسبتِ فطرت سے اُن امور کو جو دوسروں کی نگاہ میں مخفی ہوتے ہیں دیکھ لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں لیکن جو سطحی خیال کے لوگ ہوتے ہیں اور جن کی فطرت کو سعادت اور رُشد سے کوئی مناسبت اور حصّہ نہیں ہوتا وہ انکار کرتے ہیں اور تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس کا بُرا نتیجہ ان کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

دیکھو! مکّہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ابوجہل بھی مکّہ ہی میں تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مکّہ ہی کے تھے لیکن ابوبکرؓ کی فطرت کو سچائی کے قبول کرنے کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ ابھی آپ شہر میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ راستہ ہی میں جب ایک شخص سے پوچھا کہ کوئی نئی خبر سناؤ اور اُس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اُسی جگہ ایمان لے آئے اور کوئی معجزہ اور نشان نہیں مانگا اگرچہ بعد میں بے انتہا معجزات آپؐ نے دیکھے اور خود ایک آیت ٹھہرے۔ لیکن ابوجہل نے باوجودیکہ ہزاروں نشان دیکھے لیکن وہ مخالفت اور انکار سے باز نہ آیا اور تکذیب ہی کرتا رہا۔

اِس میں کیا سِرّ تھا؟ پیدائش دونوں کی ایک ہی جگہ کی تھی۔ ایک صدیق ٹھہرتا ہے اور دوسرا جو ابوالحکم کہلاتا تھا وہ ابوجہل بنتا ہے۔ اِس میں یہی راز تھا کہ اُس کی فطرت کو سچائی کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ غرض ایمانی امور مناسبت ہی پر منحصر ہیں۔ جب مناسبت ہوتی ہے تو وہ خود معلّم بن جاتی ہے اور امور حقّہ کی تعلیم دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اصل مناسبت کا وجود بھی ایک نشان ہوتا ہے۔

مَیں بصیرت اور یقین کے ساتھ کہتاہوں اور مَیں وہ قوّت اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہوں مگر افسوس مَیں اس دنیا کے فرزندوں کو کیونکر دکھاسکوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے کہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ خدا تعالیٰ سب کی آنکھ کھول دے گا اور میری سچائی روزِ روشن کی طرح دنیا پر کھل جائے گی لیکن وہ وقت وہ ہو گا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جاوے گا اور پھر کوئی ایمان سود مند نہ ہوسکے گا۔

میرے پاس وہی آتا ہے جس کی فطرت میں حق سے محبت اور اہلِ حق کی عظمت ہوتی ہے۔ جس کی فطرت سلیم ہے وہ دُور سے اُس خوشبو کو جو سچائی کی میرے ساتھ ہے سونگھتا ہے اور اُسی کشش کے ذریعہ سے جو خدا تعالےٰ اپنے ماموروں کو عطا کرتا ہے میری طرف اِس طرح کھنچے چلے آتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف جاتا ہے لیکن جس کی فطرت میں سلامت روی نہیں ہے اور جو مُردہ طبیعت کے ہیں اُن کو میری باتیں سود مند نہیں معلوم ہوتی ہیں وہ ابتلا میں پڑتے ہیں اور انکار پر انکار اور تکذیب پر تکذیب کر کے اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں اور اِس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ اُن کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

میری مخالفت کرنے والے کیا نفع اٹھائیں گے؟ کیا مجھ سے پہلے آنے والے صادقوں کی مخالفت کرنے والوں نے کوئی فائدہ کبھی اٹھایا ہے؟ اگر وہ نامراد اور خاسر رہ کر اِس دنیا سے اُٹھے ہیں تو میرا مخالف اپنے ایسے ہی انجام سے ڈر جاوے کیونکہ **مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتاہوں کہ مَیں صادق ہوں میرا انکار اچھے ثمرات نہیں پیدا کرے گا۔** مبارک وہی ہیں جو انکار کی لعنت سے بچتے ہیں اور اپنے ایمان کی فکر کرتے ہیں جو حسن ظنّی سے کام لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اُن کا ایمان اُن کو ضائع نہیں کرتا بلکہ برومند کرتا ہے۔ مَیں کہتاہوں کہ صادق کی شناخت کے لئے بہت مشکلات نہیں ہیں۔ ہر ایک آدمی اگر انصاف اور عقل کو ہاتھ سے نہ دے اور خدا کا خوف مدّ نظر دیکھ کر صادق کو پرکھے تو وہ غلطی سے بچا لیا جاتا ہے لیکن جو تکبّر کرتا ہے اور آیاتُ اللہ کی تکذیب اور ہنسی کرتا ہے اُس کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔"

(ملفوظات جلد 5 ایڈیشن 1984ء صفحہ 11-13)

ایمان میں فراست اور ایمان سے کام لینے کے حوالہ سے فرمایا:

"اصل بات یہ ہے کہ اگر اِس قسم کی باتیں ہوں تو پھر قیامت کا نمونہ ہو جاوے اور اس دنیا کو وہ قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ ایمان بالغیب بھی کوئی چیز ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ایمان، ایمان نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص سورج پر ایمان لاوے تو بتاؤ یہ ایمان اس کو کیا نفع دے گا؟ ایمان ہمیشہ اسی صورت اور حالت میں مفید اور نتیجہ خیز ہوتا ہے جب اُس میں کوئی پہلو اخفا کا بھی ہو لیکن جب کھلی بات ہو تو پھر وہ مفید نہیں رہتا۔ دیکھو! اگر کوئی شخص پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر بتادے تو اُس کی تیز بینی کی تو تعریف ہو گی لیکن اگر چودھویں رات کے چاند کو جو بدر ہوتا ہے دیکھ کر شور مچادے کہ مَیں نے چاند کو دیکھ لیا ہے تو اس کو تو سوائے مجنون کے اور کوئی خطاب نہیں ملے گا۔ اِسی طرح پر ایمان میں فراست اور تقویٰ سے کام لینا چاہئے اور قرائنِ قویّہ کو دیکھ کر تسلیم کر لینا مؤمن کا کام ہے۔ ورنہ جب بالکل پردہ برانداز معاملہ ہو گیا اور سارے گوشے کھل گئے اس وقت ایک خبیث سے خبیث انسان کو بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ مَیں اِس سوال پر بار بار اس لئے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ نشانوں کی فلاسفی کیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے جیسا مَیں نے ابھی کہا ہے خدا تعالیٰ کبھی قیامت کا نظارہ یہاں قائم نہیں کرتا اور وہ غلطی کرتے ہیں جو ایسے نشان دیکھنے چاہتے ہیں یہ محرومی کے لچھن ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور کتاب لے آئیں تو آپ نے یہی جواب دیا هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسرائیل:94)۔ پورے انکشاف کے بعد ایمان لا کر کسی ثواب کی امید رکھنا غلطی ہے۔ اگر کوئی مٹھی کھول دی جاوے اور پھر کوئی بتادے کہ اس میں فلاں چیز ہے تو اُس کی کوئی قدر نہ ہو گی۔ پس پہلے تقویٰ سے تو کام لو اور قرائن کو دیکھو کہ ثواب اِسی میں ہے۔ جب ساری باتیں کھل گئیں تو پھر کیا؟ جو اِس انتظار میں رہے کہ یہ دیکھوں اور وہ دیکھوں وہ ہمیشہ ایمان اور ثواب کے دائرہ سے خارج رہے ہیں۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے بعض کا نام سابق مہاجر اور انصار رکھا ہے اور اُن کو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ میں داخل کیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جو بعد میں ایمان لائے ان کا نام صرف ناس رکھا ہے جیسے فرمایا۔ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (النصر:2،3) یہ لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اگرچہ وہ مسلمان تھے مگر اُن کو وہ مراتب نہیں ملے جو پہلے لوگوں کو دیے گئے۔ اور پھر مہاجرین کی عزّت سب سے زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اُس وقت ایمان لائے جب اُن کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کامیابی ہو گی یا نہیں بلکہ ہر طرف سے مصائب اور مشکلات کا ایک طوفان آیا ہوا تھا اور کفر کا ایک دریا بہتا تھا۔ خاص مکّہ میں مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی اور مسلمان ہونے والوں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ مگر انہوں نے ایسے وقت میں قبول کیا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن

کی بڑی بڑی تعریفیں کیں اور بڑے بڑے انعامات اور فضلوں کا وارث اُن کو بنایا۔ پس ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو اِس بات کا انتظار کرتا ہے کہ فلاں وقت آئے گا اور انکشاف ہوگا تو مان لیں گے۔ وہ کسی ثواب کی امید نہ رکھے۔ ایسا تو ضرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب حجاب دور کر دے گا اور اِس معاملہ کو آفتاب کی طرح کھول کر دکھادے گا مگر اِس وقت ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پیغمبروں کو ماننے والوں میں ثواب اَوّلوں کو سب سے بڑھ کر ملا ہے اور انکشاف کا زمانہ تو ضرور آتا ہے لیکن آخر اُن کا نام ناس ہی ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 21-23)

ایمان بڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

” ایمان یہی ہے کہ خدائی نصرتوں کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جب وہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں کو دیکھتا ہے تب اُس کا ایمان بڑھتا ہے اور معرفت اور بصیرت کی آنکھ کچھ کھلنے لگتی ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی نصرتوں کی چمک نظر نہیں آتی۔ اُس وقت تک یہ حالت تذبذب میں رہتا ہے لیکن جب اُن کی چمکار نظر آجاتی ہے اُس وقت سینہ کی غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں اور اندر ایک صفائی اور نور نظر آتا ہے۔ وہ حالت ہوتی ہے جب اُس کے لئے کہا جاتا ہے اِتَّقُوا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ “

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 373)

ایمان بعض نشانات سے بڑھتا ہے۔ فرمایا:

” ہماری جماعت تو ایمان لاتی ہے مگر اصل میں مدار ایمان نشانوں پر ہوتا ہے۔ اگرچہ انسان محسوس نہ کرے مگر اس کے کے اندر بعض کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں اور جب تک وہ کمزوریاں دُور نہ ہوں اعلیٰ مراتبِ ایمان نہیں مل سکتے اور یہ کمزوریاں نشانات ہی کے ذریعہ دُور ہوتی ہیں اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے نشانوں سے اُن کمزوریوں کو دُور کرے اور جماعت اپنے ایمان میں ترقی کرے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (الحج:40) کا نمونہ دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر سے صادق اور کاذب، خائن اور مظلوم پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب ضروری ہے کہ سب گروہ متفق ہو کر میرے استیصال کے درپے ہوں جیسے جنگ احزاب میں ہوئے تھے۔ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب خدا تعالیٰ نے چاہا ہے۔ مَیں نے جو خواب میں دیکھا کہ دریائے نیل کے کنارے پر ہوں اور بعض چلّائے کہ ہم پکڑے گئے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا وقت بھی آوے جب جماعت کو کوئی یاس ہو مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا زور آور حملوں سے سچائی ظاہر کر دے گا۔ اُس وقت یہ پورا زور لگائیں گے تا کہ قتل کے مقدمہ کی حسرتیں نہ رہ جائیں کہ کیوں چھوٹ گیا۔ یہ لوگ ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مَیں پیش کرتا ہوں مگر وہ دیکھ لیں گے کہ اکراماً عجباً کیسے ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 66-67)

سامعین! ایمان کا درخت یقین سے بڑھتا ہے۔ فرمایا:

”پس جو بچنا چاہتا ہے اُس کو ضروری ہے کہ وہ اکیلا خدا کا ہو۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ خدا تعالیٰ کبھی کسی صادق سے بیوفائی نہیں کرتا۔ ساری دنیا بھی اگر اُس کی دشمن ہو اور اُس سے عداوت کرے تو اُس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ خدا بڑی طاقت اور قدرت والا ہے اور انسان ایمان کی قوّت کیساتھ اُس کی حفاظت کے نیچے آتا ہے اور اس کی قدرتوں اور طاقتوں کے عجائبات دیکھتا ہے۔ پھر اُس پر کوئی ذلّت نہ آوے گی۔ یاد رکھو! خدا تعالےٰ زبردست پر بھی زبردست ہے بلکہ اپنے امر پہ بھی غالب ہے۔ سچے دل سے نمازیں پڑھو اور دعاؤں میں لگے رہو۔ اور اپنے سب رشتہ داروں اور عزیزوں کو یہی تعلیم دو۔ پورے طور پر خدا کی طرف ہو کر کوئی نقصان نہیں اٹھاتا۔ نقصان کی اصل جڑ گناہ ہے۔

ساری عزتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دیکھو! بہت سے ابرار اخیار دنیا میں گزرے ہیں۔ اگر وہ دنیا وار ہوتے تو اُن کے گزارے ادنیٰ درجہ کے ہوتے کوئی اُن کو پوچھتا بھی نہ، مگر وہ خدا کے لئے ہوئے اور خدا ساری دنیا کو اُن کی طرف کھینچ لایا۔ خدا تعالیٰ پر سچا یقین رکھو اور بدظنّی نہ کرو۔ جب اس کی بدبختی سے خدا پر بدظنّی ہوتی ہے تو پھر نہ نماز درست ہوتی ہے نہ روزہ نہ صدقات۔ بدظنّی ایمان کے درخت کو نشوونما ہونے نہیں دیتی بلکہ ایمان کا درخت یقین سے بڑھتا ہے۔

مَیں اپنی جماعت کو بار بار اِس لئے نصیحت کرتا ہوں کہ یہ موت کا زمانہ ہے۔ اگر سچے دل سے ایمان لانے کی موت کو اختیار کرو گے تو ایسی موت سے زندہ ہو جاؤ گے اور ذلّت کی موت سے بچائے جاؤ گے۔ مؤمن پر دو موتیں جمع نہیں ہوتیں۔ جب وہ سچے دل سے اور صدق اور اخلاص کے ساتھ خدا کی طرف آتا ہے پھر طاعون کیا چیز ہے؟ کیونکہ صدق اور وفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ہونا یہی ایک موت ہے جو ایک قسم کی طاعون ہے۔ مگر اس طاعون سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے کیونکہ خدا کا ہونے سے نشانہ طعن تو

ہونا ہی پڑتا ہے۔ پس جب مؤمن ایک موت اپنے اوپر اختیار کرلیوے تو پھر دوسری موت اُس کے آگے کیا شئے ہے؟ مجھے بھی الہام ہوا تھا کہ **آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔**

ہر مؤمن کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر وہ اخلاص اور وفاداری سے اس کا ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اُس کا ولی بنتا ہے لیکن اگر ایمان کی عمارت بوسیدہ ہے تو پھر بیشک خطرہ ہوتا ہے۔ ہم کسی کے دل کا حال تو جانتے ہی نہیں۔ سینہ کا علم تو خدا کو ہی ہے۔ مگر انسان اپنی خیانت سے پکڑا جاتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سے معاملہ صاف نہیں تو پھر بیعت فائدہ دے گی نہ کچھ اَور۔ لیکن جب خالص خدا ہی کا ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اُس کی خاص حفاظت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ سب کا خدا ہے مگر جو اپنے آپ کو خاص کرتے ہیں۔ اُن پر خاص تجلّی کرتا ہے اور خدا کے لئے خاص ہونا یہی ہے کہ نفس بالکل چکنا چور ہو کر اُس کا کوئی ریزہ باقی نہ رہ جائے۔ اِس لئے مَیں بار بار اپنی جماعت کو کہتا ہوں کہ بیعت پر ہرگز ناز نہ کرو اگر دل پاک نہیں ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا کیا فائدہ دے گا جب دل دُور ہے۔ جب دل اور زبان میں اتفاق نہیں تو میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منافقانہ اقرار کرتے ہیں۔ تو یاد رکھو ایسے شخص کو دوہرا عذاب ہوگا مگر جو سچّا اقرار کرتا ہے اُس کے بڑے بڑے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اُس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ مَیں تو زبان ہی سے کہتا ہوں۔ دل میں ڈالنا خدا کا کام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے میں کیا کسر باقی رکھی تھی؟ مگر ابوجہل اور اُس کے امثال نہ سمجھے۔ آپ کو اس قدر فکر اور غم تھا کہ خدا نے خود فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:4) اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ہمدردی تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جاویں مگر وہ بچ نہ سکے۔ حقیقت میں معلّم اور واعظ کا تو اتنا ہی فرض ہے کہ وہ بتا دیوے۔ دل کی کھڑکی تو خدا کے فضل سے کھلتی ہے۔ نجات اسی کو ملتی ہے جو دل کا صاف ہو۔ جو صاف دل نہیں وہ اچکّا اور ڈاکو ہے۔ خدا تعالیٰ اُسے بُری طرح مارتا ہے۔ اب یہ طاعون کے دن ہیں۔ ابھی تو

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آخر کی خبر نہیں مگر جو ابتدائی حالت میں اپنے آپ کو درست کریں گے وہ خدا کی رحمت کا بہت بڑا حق رکھتے ہیں مگر جو لوگ صاعقہ کی طرح دیکھ کر ایمان لائیں گے ممکن ہے کہ اُن کی توبہ قبول نہ ہو یا توبہ کا موقعہ ہی نہ ملے۔ ابتدا والے ہی کا حق بڑا ہوتا ہے۔ قاعدہ کے موافق 15 یا 20 دن اور طاعون کے روزہ کے ہیں اور آرام کی شکل نظر آتی ہے مگر وقت آتا ہے کہ پھر روزہ کھولنے کا زمانہ شروع ہوگا۔ اب خدا کے سوا کوئی عاصم نہیں ہے۔ ایماندار قبول نہیں کر سکتا کہ خدا کے ارادہ کے خلاف کوئی بچ سکتا ہے۔ فائدہ اور امن کی ایک ہی راہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا جھکے کہ خود محسوس کرلے کہ اب مَیں وہ نہیں رہا ہوں اور مصفّا قطرہ کی طرح ہو جاوے۔ خدا کی قدرت ہے کہ جوں جوں طاعون کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے شور اور مفسدہ مخالفت کا بڑھتا جاتا ہے۔ اُن کو ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 69-72)

شرطی بیعت والے ایمان سے خدا بیزار ہے۔ فرمایا:

" اس شرط سے دین کو کبھی قبول نہ کرنا چاہئے کہ مَیں مالدار ہو جاؤں گا۔ مجھے فلاں عہدہ مل جاوے گا۔ یاد رکھو کہ شرطی ایمان لانے والے سے خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ بعض وقت مصلحتِ الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات، بلائیں بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں مگر اُن سے گھبرانا نہ چاہیے۔ موت ہر ایک کے واسطے کھڑی ہے اگر بادشاہ ہو جاوے گا تو کیا موت سے بچ جاوے گا؟ غریبی میں بھی مرنا ہے۔ بادشاہی میں بھی مرنا ہے اس لئے سچّی توبہ کرنے والے کو اپنے ارادوں میں دنیا کی خواہش نہ ملانی چاہئے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 301)

تکمیل ایمان کا ذریعہ، حضور علیہ السلام نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے کہ

" اصل میں ایمان کے کمال تام کا ذریعہ الہاماتِ صحیحہ اور پیشگوئی ہوتے ہیں۔ ایمان کبھی قصّوں کہانیوں سے ترقی نہیں پکڑتے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ انسان جس مذہب میں پیدا ہوتا ہے۔ جس راہ و رسم کا پابند اپنے آباء و اجداد کو پاتا ہے اکثر اُسی کا پابند ہوا کرتا ہے۔ اگر ایک بُت پرست کے گھر میں پیدا ہوا ہو تو بُت پرستی ہی اُس کا شیوہ ہوگا اور اگر ایک عیسائی کے ہاں اُس نے تربیت پائی ہے تو وہی خو بو اُس میں پائی جاوے گی۔ مگر اُس کے مسائل اور اُس کے بنیادی عقائد کا بہت سا حصّہ ایسا ہوتا ہے کہ اُس کی عقل و فہم میں کچھ بھی نہیں آیا ہوتا۔ صرف لکیر کا فقیر ہوتا ہے بچپن اور اوائل عمر میں تو کیا کوئی اُن مذاہب کی حقیقت سے آگاہ ہوگا۔ عیسویت کے حامی تو اگر اُن سے کوئی پوری تعلیم کا پورا جوان عاقل بالغ بھی ان کی تثلیث کے راز کو پوچھے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ راز ہے جو ایشیائی دماغ کی بناوٹ کے لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے اور

یہی حال بُت پرست کا ہے۔ ہاں البتہ اسلام ایک دنیا میں ایسا مذہب ہے کہ جس کے عقائد ایسے ہیں کہ انسان اُن کو سمجھ سکتا ہے اور وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام کے مسائل ایسے ہیں کہ کسی خاص دماغ یا عقل کے واسطے خاص نہیں بلکہ وہ تمام دنیا کے واسطے یکساں ہیں اور ہر ایک کی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مگر وہ زندہ ایمان کہ جس سے انسان خداتعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے اور وہ نور جس سے انسان کی آنکھ کھل کر اس کو ایقان تام حاصل ہو جاوے وہ صرف الہام ہی پر منحصر ہے۔ الہام سے انسان کو ایک نور ملتا ہے جس سے وہ ہر تاریکی سے مبرّا ہو جاتا ہے اور ایک قسم کا اطمینان اور تسلّی اُسے ملتی ہے۔ اُس کا نفس اس دن سے خداتعالیٰ میں آرام پانے لگتا ہے اور ہر گناہ فسق وفجور سے اس کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس کا دل امید اور بیم سے بھر جاتا ہے اور خداتعالیٰ کی حقیقی معرفت کی وجہ سے وہ ہر وقت ترساں ولرزاں رہتا ہے اور زندگی کو ناپائیدار جانتا اور سِفلی لذّات کی ہوس اور خواہش کو ترک کر کے خداتعالیٰ کی رضا کے حصول میں لگ جاتا ہے اور در حقیقت وہ اسی وقت گناہ کی آلودگی سے علیحدہ ہوتا ہے۔

جب تک تازہ نور انسان کو آسمان پر سے نہ ملے اور خداتعالیٰ کا مشاہدہ نہ ہو جاوے تب تک پورا ایمان نہیں ہوتا۔ جب تک ایمان، کمال درجہ تک نہ پہنچا ہو تب تک گناہ کی قید سے رہائی ناممکن ہے۔ جو الہام کے ایمان کی تصویر لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ اُس کی ماہیت سے لوگ بے بہرہ اور خالی محض ہوتے ہیں۔ تعجّب ہے کہ یورپ تو آجکل بہت سی ٹھوکریں کھا کر اِن امور کو تسلیم کرتا جاتا ہے مگر ہمارے مولوی انکار وکفر میں غرق ہیں۔ اگر الہام ہونے کا نام بھی لیا جاوے تو کفر کا فتویٰ تیار ہے۔ وحی کے نزول کا دعویٰ کرنے والا تو اکفر اور ضالّ اور دجّال ہے۔ افسوس آتا ہے کہ لوگ خداتعالیٰ کے کلام سے کیسے دور جا پڑے ہیں اور اُن سے فہم قرآن چھین لیا گیا ہے۔ بھلا اگر خداتعالیٰ نے اِس امت کو اِس شرف سے محروم ہی رکھنا تھا تو یہ دعا ہی کیوں سکھائی۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۔ اِس دعا سے تو صاف نکلتا ہے کہ یا الٰہی! ہمیں پہلے منعم علیہم لوگوں کی راہ پر چلا اور جو اُن کو انعامات ملے ہمیں بھی وہ انعامات عطا فرما۔ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کون تھے؟ خداتعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے۔ کہ نبی، صدیق، شہید، صالح لوگ تھے اور اُن کا برابر انعام یہی الہام اور وحی کا نزول تھا۔ بھلا اگر خداتعالیٰ نے اس دعا کا سچا نتیجہ جو ہے اُس سے محروم ہی رکھنا تھا تو پھر کیوں ایسی دعا سکھائی؟ ہمیں تعجّب آتا ہے کہ اِن لوگوں کو کیا ہو گیا۔ یہی تو ایک چیز تھی۔ جو نہایت نازک اور روح کی غذا تھی۔ جو انسان اِس کے حصول کا پیاسا نہیں۔ ممکن نہیں کہ اِس کے اندر پاک تبدیلی آسکے اور جب تک انسان اِس طرح خداتعالیٰ کا چہرہ نہ دیکھے اور اُس کی سریلی آواز سے بہرہ ور نہ ہو تب تک ممکن نہیں کہ گناہ کے زہر سے بچ سکے۔ خیر خود تو محروم اور بے نصیب تھے ہی مگر دوسروں کو جو اِس قسم کے خیال رکھیں کہ خداتعالیٰ کسی سے ہمکلام ہو سکتا ہے کافر جانتے ہیں۔ وہ تو دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔ مگر ہمیں خود اُن کے ایمان کا خطرہ ہے کہ اُن کا ایمان ہی کیا ہے جو اِس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں اور خداتعالیٰ کے حضور دعا کے واسطے ہاتھ ہی کسی طرح اُٹھا سکتے ہیں۔ دو ہی چیزیں ہیں کہ جو خداتعالیٰ تک انسان کو پہنچا سکتی ہیں۔ **دیدار**۔ جس کی موسیٰؑ نے بھی درخواست کی تھی اور وہ بھی الہام ہی کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ جب انسان اُس کی طرف ترقی پاتا ہے تو اور مدارج کی بھی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرنا چاہتا ہے۔

دوسری چیز خداتعالیٰ تک پہنچنے کی **گفتار** ہے اور یہ فضل خداتعالیٰ کا تو ایسا ہوا ہے کہ عورتوں تک بھی گفتار سے مشرف ہوتی رہی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں کو بھی ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو بھی یہ نعمت ملی ہوئی تھی۔ خضر کو بھی الہام ہوتا تھا تو کیا اسلام ہی ایسا گیا گزرا تھا؟ اور خداتعالیٰ کی نظر میں گرا ہوا تھا؟ کہ اُسے بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی پیچھے پھینک دیا۔ ان وہابیوں کا تو یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ میں سے کسی کو اور نہ بعد میں آئمہ میں سے کسی کو اور نہ ہی بڑے بڑے خداتعالیٰ کے ولیوں مثلاً حضرت شیخ عبد القادر جیلانی وغیرہ اِن میں سے کسی کو بھی الہام نہیں ہوا۔ یہ سارے کے سارے ہی خشک مُلّاں تھے اُن میں سے کسی کو بھی خداتعالیٰ کے مکالمے مخاطبے کا شرف نہ ملا ہوا تھا۔ اُن کے ہاتھ میں بھی صرف قصّے کہانیاں ہی تھے۔ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: 41) کے معنے ہی ان کے نزدیک یہی ہیں کہ الہام کا دروازہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور آپ کے بعد آپ کی امت سے یہ برکت کہ کسی کو مکالمات اور مخاطبات ہوں بالکل اُٹھ گئی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر صدی اِس امر کی منتظر ہوتی ہے کہ اِس امت میں سے چند افراد یا کوئی ایک فرد ضرور خداتعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں گے۔ جو اسلام پر سے گرد وغبار کو دُور کر کے پھر اسلام کے روشن چہرے کو چمکا کر دکھایا کریں اُن لوگوں سے اگر پوچھا جاوے کہ تمہارے پاس سچائی کی دلیل ہی کونسی ہے؟ کوئی معجزات یا خارقِ عادت تمہارے پاس نہیں تو دوسروں کا حوالہ دے دیں گے۔ خود خالی اور محروم ہیں۔ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر اور آپ کی صحبت کی برکت سے آنحضرت کے ہی رنگ میں رنگین ہو گئے تھے اور اُن کے ایمانوں کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اور معجزات کثرت سے دیکھنے اور ہر وقت مشاہدہ کرنے سے اُن کے ایمانوں کا تزکیہ اور تربیت ہوتی گئی اور آخر کار ترقی کرتے کرتے وہ کمال تمام تک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہو گئے مگر اِن لوگوں کے ایمانوں کو مضبوط کرنے کے واسطے اگر اِن سے پوچھا جاوے تو کیا ہے؟ تیرہ سو برس کا حوالہ دیں گے کہ اُس وقت یہ معجزات اور خارق عادت ظاہر ہوا کرتے تھے۔ پیشگوئیاں بھی تھیں مگر اب کچھ بھی نہیں۔

مَیں نہیں سمجھتا کہ اگر خدا تعالیٰ نے اُسے شرّ الاُمم بنانا تھا تو اُس کا نام قرآن شریف میں خیر اُمّت کر کے کیوں پکارا؟ کیونکہ اِس کی موجودہ حالت بقول مولویوں کے بدترین معلوم ہوتی ہے۔ اندرونی و بیرونی حملوں سے پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ دجّال نے آکر ہر طرف سے گھیر لیا ہے تو پھر ایسے مصیبت کے وقت میں اگر خبر گیری بھی کی تو ایک اور دجّال بھیج دیا جو دین کا حامی ہونے کی بجائے بیخ کُن ہے اور ان کے لوگ ہزاروں مجاہدے اور ریاضت زہد و تعبّد کریں مگر خدا تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف کبھی نہیں نصیب ہوتا ہے اور ایسے گئے گزرے ہیں کہ دوسری امّتوں کی عورتوں سے بھی درماندہ اور پس پا افتادہ ہیں۔ اُن میں تو موسوی شریعت کے خادم ہزاروں نبی آئے اور ایک زمانہ میں چار چار سو نبی بھی ہوتے رہے۔ مگر اِس امّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا خادم ایک بھی صاحبِ الہام نہ آیا۔ گویا کہ سارے کا سارا باغ ہی بے ثمر رہ گیا۔ پہلے لوگوں کے باغ تو مُثمر ہوئے مگر ان کے اعتقاد کے بموجب نعوذ باللہ آپ کا باغ بے برگ و بار ہوا۔ اگر اِن لوگوں کا یہی دین اور ایمان ہے تو خدا تعالیٰ دنیا پہ رحم کرے اور لوگوں کو ایسے ایمان سے نجات دیوے۔

ایمان کی نشانی ہی کیا ہے اور اس کے معنے کیا ہیں یہی کہ مان لینا اور پھر اس پر یقین آجانا۔ جب انسان ایک بات کو سچے دل سے مان لیتا ہے تو اُس کا اُس پر یقین ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اُس سے اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ سنکھیا ایک زہر ہوتا ہے اور اُس کے کھانے سے انسان مر جاتا ہے یا ایک سانپ جان کا دشمن ہوتا ہے جس کو کاٹتا ہے اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ تو اس ایمان کے بعد نہ تو وہ سنکھیا کھاتا اور نہ ہی سانپ کے سوراخ میں انگلی ڈالتا ہے۔

آج کل طاعون کے متعلق لوگوں کو ایمان ہے کہ اس کی لاگ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے جس مکان میں طاعون ہو اس سے کوسوں بھاگتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں۔ غرض جس چیز پر ایمان کامل ہوتا ہے اُس کے مطابق اُس سے عمل بھی صادر ہوا کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے موجود ہونے کا تو ایمان ہو اور حساب کتاب یاد ہو تو پھر گناہ باقی رہ جاوے۔ یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا خدا تعالیٰ کا ایمان سانپ کے خون سے بھی گیا گزرا ہے؟ مؤمن ہونے کا دعویٰ ہے اور پھر ایسی چوری، جھوٹ، زنا، بدنظری، شراب خوری، فسق و فجور میں فرق نہیں۔ نفاق اور ریاکاری کی تصدیق نہیں۔ زبانی ایمان کا دعویٰ ہے ورنہ عملی طور پر ایمان اور دین کچھ بھی چیز نہیں۔

ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کو جس چیز کے مفید ہونے کا ایمان ہے اُسے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ کوئی امیر اور کوئی غریب ہم نے نہیں دیکھا جو اپنے گھر سے اپنی جائیداد یا دولت کو جو اُس کے پاس ہے باہر نکال پھینکتا ہو بلکہ ہم نے تو کسی کو ایک پیسہ بھی پھینکتے نہیں دیکھا۔ پیسہ تو کجا ایک سوئی بھی اگر کمائی ہوئی ٹوٹ جاوے تو اُسے رنج ہوتا ہے کہ میرے کارآمد چیز تھی۔ مگر ایمان باللہ کی قدر اِن لوگوں کی نظر میں اُس سوئی کے برابر بھی نہیں اور نہ اس کا فائدہ ایک سوئی کے برابر لوگ جانتے ہیں۔ پس جب ایمان ایسا ہوتا ہے کہ ایک سوئی کے برابر بھی اس کی قدر اِن میں نہیں ہوتی تو اسی کے مطابق اُن کو اِس سے نفع بھی نہیں پہنچتا اور نہ اُن کو وہ کمال حاصل ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُن پر الہامات کے دروازہ سے کھول دے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 325-330)

ایمان کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"کوئی خدا پر ایمان نہیں رکھتا جب تک کہ وہ خود نشان نہ دیکھے یا اس کی صحبت میں نہ رہے جو کہ اِن نشانوں کو دیکھنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو اِن سب مخالفوں کو ایک دم میں ہی ہلاک کر دے مگر پھر ہم اَور ہمارا سلسلہ بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ یہ مخالفین کا شور و غوغا دراصل عمر کو بڑھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بے شک سب کچھ کرے گا اُن کو ذلیل و خوار بھی کرے گا لیکن وہ مالک ہے خواہ ایک دم کر دے خواہ رفتہ رفتہ کرے۔ خدا تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرت ہے کہ جب ایک شخص کو اپنی طرف سے بھیجتا ہے تو خود بخود دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک شقی اَور سعید۔ مگر یہ زمانہ گاہے گاہے وہ زمانہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا چہرہ دکھانا چاہتا ہے۔ دوسرا زمانہ شکوک و شبہات کا زمانہ ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 52-53)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡